جناب مولانا ارشاد الحق صاحب　　قسط نمبر ۱۳

احسن الکلام

پانچویں حدیث

اس روایت کے الفاظ اگرچہ سابقہ روایت سے قدرے مختلف ہیں لیکن مفہوم و مقصد دونوں کا ایک ہے۔ اس لیے مجموعی طور پر جو اعتراض مولانا صفدر صاحب نے امام بیہقی پر کیے ہیں اس کا جواب ہم سابقہ روایت کے تحت ذکر کر چکے ہیں۔ مثلاً ان کا یہ فرمانا کہ:

"اس روایت میں قراءۃ کو جہر پر محمول کرنا یا اس میں ما زاد علی الفاتحۃ پر محمول کرنا جیسا کہ امام بیہقیؒ نے کیا ہے محض فرسودہ اور بے حقیقت تاویل ہے اور خالص سینہ زوری پر محمول ہے" (ص ۲۴۳)

بات دراصل یہ ہے کہ جب ایک بات دائرہ تحقیق سے نکال کر صرف زورِ کلام یا حزبِ مخالف کے استدلال کو محض اپنی کج فہمی کی بنا پر بے حقیقت، بے اصل، فضول اور لایعنی ایسے الفاظ کے گورکھ دھندا میں الجھانے کی کوشش کی جائے تو یہی اس کے استدلال کی کمزوری پر کافی دلیل ہوتی ہے۔

ہم قبل ازیں بیان کر چکے ہیں کہ امام بیہقی وغیرہ نے اگر اسے جہر پر محمول لیا تو اس کی علت منازعت ہے ہمیں تعجب ہے لغت عرب کے مسلمہ معنی ائمہ شارحین کی تصریحات میں تطبیق و توفیق کی کوشش کی جائے تو یہ عمل فرسودہ، بے حقیقت اور خالص سینہ زوری پر محمول ہو۔ لیکن اگر حدود لغت کو پھاندتے ہوئے اور ائمہ فن کے اقوال کو پس پشت ڈالتے ہوئے نئی راہ اختیار کی جائے تو یہ "اجتہاد" اور "نکتہ رسی" قرار پائے ؏

خرد کا نام جنوں رکھ لیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے۔

ہم دلائل سے ثابت کر آئے ہیں کہ امام بیہقیؒ نے نہ بے حقیقت تاویل کی اور نہ ہی سینہ زوری سے کام لیا ہے۔ مولانا صاحب دراصل امام موصوف کے طرزِ استدلال سے بوکھلا گئے ہیں اور اپنی پوزیشن صاف کرنے کے لیے الٹا الزام انہیں دے رہے ہیں۔

انہوں نے خود غرض شکلیں کبھی دیکھی نہیں شائد
وہ جب آئینہ دیکھیں گے تو ہم انہیں بتا دیں گے۔

حدیث دانی یا دجل وفریب

ہم حیران ہیں کہ مولانا صفدر صاحب کے متعلق غلط بیانی کا خیال کریں یا بڑھاپے کا اثر اور کیلا یعلم بعد علم شیئًا کا مصداق؛ یا پھر مذہبی حمیت کی کرشمہ سازی سمجھیں کہ جھوٹ کو سچ کر دکھانے کے لیے ایسی بیسیوں حرکات شنیعہ کا ارتکاب کرنا پڑتا ہے آخر کچھ تو تسلیم کرنا پڑے گا۔

اس کشمکش دام سے کیا کام تھا مجھے!
اے الفتِ چمن تیرا خانہ خراب ہو۔

ملحوظ خاطر رہے کہ مولانا صاحب نے یہ روایت مسند احمد سے نقل کرنے کے بعد علامہ ہیثمی سے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں؛

"رواہ احمد ورجال احمد رجال الصحیح" یہ روایت امام احمد نے بیان کی ہے اور امام احمد کی سند کے تمام راوی صحیح بخاری کے راوی ہیں اس کے علاوہ علامہ ہیثمی نے امام بزار کا وہ اعتراض نقل کیا ہے جو عنقریب آرہا ہے اس میں جہری نماز کی کوئی قید نہیں لہذا یہ جہری اور سری تمام نمازوں کو شامل ہے اور اگر اس روایت میں جہر کی قید بھی ہو جیسا کہ مجمع الزوائد کی ایک روایت میں ہے "صلی صلوٰۃ یجھر فیھا"، اگر یہ صحیح ہو تب بھی جہری نمازوں میں ترک خلف امام پر سابق روایت کی طرح یہ صریح دلیل ہے۔" (ص ۲۳۳)

"احسن الکلام" کی یہ مکمل عبارت آپ کے سامنے ہے اب آیئے ہم بتلاتے ہیں کہ مولانا صاحب نے پے در پے کس قدر ٹھوکریں کھائی ہیں اور ادھر لوح قارئین کرام کی نظروں میں اپنے دجل وفریب کا کتنا گھناؤنا کردار ادا کیا ہے۔

مجمع الزوائد میں علامہ ہیثمی نے باب "القرأۃ فی الصلوٰۃ" کے تحت سب سے پہلی روایت یہی نقل کی ہے جیسے

مولانا صفدر صاحب [illegible]

مسند احمد ص ۵۴ ج ۵ میں ہے۔ علامہ ہیثمی اس روایت کے بعد فرماتے ہیں:

" رواہ احمد والطبرانی فی الکبیر والاوسط ورجال احمد رجال الصحیح ویأتی الکلام علیہ بعد ہذا الحدیث"

(مجمع الزوائد۔ ص ۱۰۹، ۱۱۰ ج ۲)

کہ یہ روایت مسند احمد طبرانی کبیر اور اوسط میں ہے اور مسند احمد کے راوی صحیح بخاری کے راوی ہیں اور اس پر کلام اس حدیث کے بعد آئے گا۔

اس روایت کے بعد علامہ ہیثمی نے یہی روایت " صلی صلوٰۃ یجھر فیھا" کے الفاظ سے نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:

" رواہ البزار بتمامہ واحمد والطبرانی فی الکبیر والاوسط باختصار ورجالہ رجال الصحیح"

یعنی یہ روایت مسند بزار میں مکمل و مفصل ہے اور مسند احمد طبرانی کبیر اور اوسط میں مختصر ہے اور اس کے راوی صحیح بخاری کے راوی ہیں۔ اسی ضمن میں یہ بات بھی یاد رہے کہ مسند احمد میں ابن بحینہؓ کے واسطہ سے " صلی صلوٰۃ یجھر فیھا" کے الفاظ سے کوئی روایت نہیں علامہ ہیثمی دراصل مسند بزار کی روایت کو مفصل اور مسند احمد اور طبرانی کی روایت کو مجمل و مختصر قرار دیتے ہیں۔

ان حقائق کے بعد ذرا مولانا صفدر صاحب کی مذکورۃ الصدر عبارت پر ایک بار پھر غور فرمائیں آپ کو درج ذیل امور واضح طور پر نظر آئیں گے۔

(۱) حدیث کے جن الفاظ سے مولانا صاحب نے استدلال کیا ہے اور علامہ ہیثمی نے اس کے متعلق " رجالہ رجال الصحیح" کہا ہے اس کے متصل بعد انہوں نے یہ بھی کہا ہے " ویاتی الکلام بعد ھذا الحدیث" ہمیں بتلایا جائے کہ مولانا صاحب نے یہ الفاظ کس حکمت کی بنا پر حذف کیے ہیں؟

(۲) صلی صلوٰۃ یجھر فیھا، کے الفاظ سے جو روایت مسند بزار میں ہے وہ مفصل اور مسند احمد اور طبرانی کی روایت مجمل ہے۔

(۳) مسند بزار کی روایت کے رجال بھی صحیح بخاری کے رجال ہیں لیکن اس کے باوجود مولانا صاحب کے فرمان " واجب الاذعان" " اگر یہ صحیح ہو" کے کیا معنیٰ؟ اس کی صحت پر جو اشتباہ ہے کیا اس کی نشاندہی ہو سکے گی؟ اول الذکر روایت کے متعلق " رجالہ رجال الصحیح" کا قول اگر معتبر ہے تو ثانی الذکر روایت میں شک و ریب کی وجہ؟

اب آئیے ذرا اس کلام کا جائزہ لیجیے جو امام بزار وغیرہ نے اس روایت پر کیا ہے۔ مولانا صفدر صاحب

ہی لکھتے ہیں۔

"اس میں محمد بن عبداللہ بن مسلم نے خطا کی ہے اصل روایت عن ابن اکیمہ عن ابی ہریرہ رضتھی لیکن انہوں نے عن ابن بحینہ کر دی، اور پھر محض لفظوں کے ذریعہ رعب جمانے کی سعی کی کہ ھذا خطاء لاشك فيه ولا ارتياب" (احسن ص ۲۴۳)

معلوم یوں ہوتا ہے کہ خوف آخرت مولانا صاحب کے دل سے نکل گیا ہے ورنہ اس منصب کے ذمہ دار بزرگ سے ایسی توقع نہیں شاعر نے ایسے ہی موقع و محل کے لیے کہا ہے۔

سہ
آنکھیں ہیں اگر بند تو پھر دن بھی رات ہے
اس میں بھلا قصور ہے کیا آفتاب کا۔

ناظرین کرام یقین فرمائیے امام بیہقی اور امام بزار اپنے دور کے مسلمہ امام ہیں انہوں نے محض لفظوں کے ذریعہ نہیں بلکہ دلائل سے اپنے مدعیٰ کو ثابت کیا ہے۔ امام بیہقی نے کتاب القراء ۃ ص۹۸ اور السنن الکبریٰ ص۹۰ ج۲ میں اور امام بزار کا کلام مجمع الزوائد ص۱۱۱ ج۲ میں مذکور ہے۔ حضرت الاستاذ محدث گوندلوی متعنا اللہ بطول حیاتہ نے خیر الکلام ص۲۴۴ میں تینوں کتابوں سے وہ دلائل بھی نقل کر دیے ہیں۔ اس کے باوجود اگر یہ محض لفظی کاروائی ہے تو معاذ اللہ کہنے دیجیے کہ کسی کتاب میں کوئی دلیل ہے ہی نہیں یہ تمام محض الفاظ کی ہیرا پھیری کا نتیجہ ہے۔ مولانا صاحب ہم آپ سے انصاف اور علم و دیانت کے نام پر اپیل کرتے ہیں کہ مذکورۃ الصدر حوالہ جات کی طرف مراجعت فرمائیں اور خدا کو حاضر و ناظر جان کر بتائیں کیا یہ محض لفظی کاروائی ہے یا دلائل سے عاجزی کے نتیجہ میں بدحواسی کا مظاہرہ ہے۔

اس کے بعد مولانا صاحب امام بیہقی وغیرہ کے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"لیکن محض ظن اور اٹکل سے ایسے لایعنی اور بے کار اعتراض کون سنتا ہے؟ کیا ابن اکیمہ اور حضرت ابوہریرہ رضہ کے علاوہ عبداللہ بن بحینہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے ترک قرأت خلف الامام کی روایت نقل کرنے کے مجاز نہیں تھے اور کیا امام احمد اور علامہ ہیثمی وغیرہ کو یہ غلطی اور خطا معلوم نہ ہو سکی" (ص ۲۴۴) اور حاشیہ ص ۲۴۳ میں فرماتے ہیں:

"علامہ ہیثمی کا رجاله رجال الصحیح کہنا ہی امام بزار کی تردید کے لیے کافی ہے اور اسنیم دقت میں اگر علامہ ہیثمی کو صحت اور سقم کی پرکھ نہیں تو اور کس کو تھی"؟

بڑے دکھ اور افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ حضرت شیخ الحدیث صاحب اگر چاہیں تو نئے نئے

اصول تراشیں اور فن اجتہاد کا مظاہرہ فرمائیں۔ اور اگر چاہیں تو مسلمہ اصول وضوابط کو بغیر ڈکار لیے ہضم کر جائیں اور پھر بھی الزام فریق ثانی پہ۔ آخر جسارت کی بھی انتہا ہوتی ہے۔

ہم بھی قائل ہیں تیری نیرنگی کے یاد رہے!
اور زمانے کی طرح رنگ بدلنے والے

ہم دعوے سے کہتے ہیں کہ امام بیہقی اور امام بزار وغیرہم نے جو کہا اصول وضوابط کے پیش نظر صحیح کہا جیسا کہ اس کی تفصیل ہم انشاء اللہ عنقریب ذکر کریں گے۔ اور ہم سمجھتے ہیں کہ شیخ الحدیث صاحب تجاہل عارفانہ سے کام لے رہے ہیں۔ بصورت دیگر ہم یہ سمجھنے پر مجبور ہوں گے کہ حضرت دراصل اصول حدیث سے ناواقف ہیں اگر یہی حقیقت ہے تو انہیں اپنے علم پر ماتم کرنا چاہیے اور ہندی حضرات کو دھوکے میں رکھنے سے بھی اجتناب کرنا چاہیئے ہم انہیں ان کی بزرگی کا واسطہ دے کر سوال کرتے ہیں کہ کیا انواع واقسام علوم الحدیث میں سے ایک قسم "مقلوب" کی ہے یا نہیں اور کیا امام محمد بن یحییٰ ذھلی نے اس روایت کے مقلوب ہونے کا اشارہ نہیں کیا؟ اور کیا یہ الفاظ ان کی نظر سے نہیں گذرے؟

"اراد ابن اخی ابن شھاب حدیث السھو فی قیام النبی صلی اللہ علیہ وسلم من الرکعتین فاخطأ" (کتاب القرأت صہ ۹۸)

یعنی ابن اخی الزہری کا ارادہ حدیث سہو کا بیان ہے اور حدیث قرأت بیان کرنے میں اس سے غلطی سرزد ہوئی ہے۔ جبکہ زہری کے تمام تلامذہ بواسطہ عبدالرحمٰن بن ہرمز عن ابن بحینہ حدیث سہو ہی بیان کرتے ہیں۔

اصولِ حدیث کا طالب علم جب سنجیدگی سے ہماری اس مختصر بحث پر غور کرے گا تو وہ اول فہر ہنت میں اسے صحیح تسلیم کرنے سے انکار نہیں کر سکے گا۔ البتہ قارئین کرام کی سہولت کے پیش نظر بقدرِ ضرورت اس کی وضاحت ضروری خیال کرتے ہیں۔ تاکہ کسی قسم کا الجھاؤ باقی نہ رہے۔

چنانچہ "المقلوب" قلب سے ہے جس کے معنیٰ ہیں بدلا ہوا اصطلاحِ حدیث میں قلب کی مختلف قسمیں ہیں جن سے ایک یہ ہے۔

"ان یوخذ اسناد متن فیجعل علی متن اخر ومتن ھذا فیجعل باسناد آخر"

(شرح الفیہ للعراقی صہ ۳۹)

کہ ایک متن کی سند دوسرے متن کے ساتھ اور ایک کا متن کسی دوسری سند کے ساتھ ملا دیا جائے۔ جیسا کہ زیر بحث حدیث میں ہے۔ حافظ عراقی نے شرح الفیہ اور حافظ ابن حجر نے النکت میں اس پر بڑی نفیس بحث کی ہے اور ہر قسم پر مثالیں دے دے کر اس مسئلہ کو خوب سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ مقلوب کی ہر قسم کی وضاحت اور اس کی مثالوں کا یہ موقع نہیں البتہ جو مثالیں ہمارے موضوع سے متعلق ہیں ان میں سے دو ایک کے ذکر پر ہم اکتفا کرتے ہیں۔

"امام ابن حبان اپنی الصحیح میں ایک روایت بایں سند و متن لائے ہیں"

"مصعب بن المقدام حدثنا سفیان عن ابی الزبیر عن جابر قال نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم ان يمس الرجل ذكره بيمينه" (زوائد ابن حبان ص۶۳)

بظاہر یہ روایت صحیح اور اس میں کوئی علت معلوم نہیں ہوتی لیکن امام ابو حاتم اور امام ابو زرعہ فرماتے ہیں کہ یہ روایت مقلوب ہے اور مصعب نے ایسے بیان کرنے میں غلطی کی ہے اور اس متن کی اصل سند یوں ہے

"الثوری عن معمر عن یحیی بن ابی کثیر عن عبد الله بن ابی قتادة عن ابیه عن النبی صلی الله علیه وسلم"

(العلل لابن ابی حاتم ص۲۲ ج۱، النکت لابن حجر ص۱۵۱ من نسختی)

(۲) اسی طرح سنن دارقطنی ص ۴۲۴ ج ۱ میں ایک روایت بایں سند مذکور ہے۔

"ثنا معقل بن عبید الله عن ابی الزبیر عن جابر قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم یا بنی عبد مناف الا لا تمنعوا احدا صلی عند هذا البیت ایة ساعة" الخ

لیکن حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہ روایت معلول ہے ابوالزبیر نے جابر کی بجائے یہ روایت عبد اللہ بن باباہ عن جبیر بیان کی ہے ان کے الفاظ ہیں۔

"هو حديث معلول لان المحفوظ عن ابی الزبیر عن عبد الله بن باباه عن جبیر لا عن جابر"

(تلخیص الحبیر ص ۱۷۱)

ہم یہاں ان دو ہی مثالوں کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں ورنہ "العلل" کی کتابوں میں ایسی بیسیوں مثالیں دیکھی جا سکتی ہیں اور نہ ہی یہ کوئی مختلف فیہ مسئلہ ہے البتہ بعض مصالح کی بنا پر ہمارے مہربان نے خواہ مخواہ اسے الجھانے کی کوشش کی ہے۔ سوال یہ ہے کہ ایسی تمام روایات کے متعلق حضرت مولانا صفدر صاحب کیا فتویٰ صادر فرمائیں گے؟ کیا یہاں بھی یہ کہہ کر امام ابو حاتم اور امام ابو زرعہ کی تردید کی جائے گی کہ سفیان ثوری، ابوالزبیر عن جابر سے یہ روایت بیان کرنے کے مجاز کیوں نہیں اور کیا معقل بن عبید اللہ، ابوالزبیر عن جابر سے مکہ میں ہر وقت نماز کے جواز کی

روایت بیان کرنے کے مجاز نہ تھے؟۔ اور کیا معقل اور سفیان دونوں ضعیف اور نا قابل اعتبار ہیں کہ ان کی بیان کی ہوئی سند پر اعتماد نہ کیا جائے؟ اور کیا امام دار قطنی اور امام ابن حبان کو یہ غلطی اور خطا معلوم نہ ہو سکی؟ ؎

میری وفا کو دیکھ کر میری ادا کو دیکھ کر!
بندہ پرور منصفی کرنا خدا کو دیکھ کر!

اس مختصر وضاحت کے بعد بھی اس بات میں شبہ کی گنجائش ہے کہ مولانا صاحب نے نہایت ردی اور مہمل بات کہی کہ "کیا عبدالرحمن ابن بحینہ سے روایت کرنے کے مجاز نہیں"؟ حالانکہ وہ خود بھی جانتے ہیں کہ بات صرف امکان سے نہیں بنتی اس کے لیے کچھ قرائن و دلائل کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ جن محدثین نے اسے ابن اخی الزہری کی غلطی قرار دیا اس کی انہوں نے معقول وجوہ بیان کیے ہیں وہی اس فن کے شہسوار بلکہ موجد تھے۔

اب ان کی تصریحات کے خلاف ظن و تخمین سے بات بنانا مولانا صاحب ہی کو زیب دیتا ہے۔ بات صاف ہے کہ یا تو یہ بچارے اصول حدیث کی باریکیوں سے پوری طرح واقف نہیں یا پھر دیدہ دانستہ اغماض کرتے ہیں اور محض سینہ زوری سے حقائق پر پردہ ڈالنے کی کوشش فرما رہے ہیں؛ مولانا فرماتے ہیں:

"علامہ ہیثمی کا "رجالہ رجال الصحیح" کہنا ہی امام بزار کی تردید کے لیے کافی ہے اور اپنے وقت میں اگر علامہ ہیثمی کو صحت و سقم کی پرکھ نہیں تو اور کس کو تھی؟"

ہم پہلے عرض کر آئے ہیں کہ شخصیت پرستی نام کی کوئی چیز ہماری نظر میں نہیں جبھی ہم دلائل کی دنیا میں ہر ایک کی بات کو پرکھنے کے عادی ہیں یہ مقام صرف حضرت سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے کہ ان کا ہر فرمان بلا چون وچرا تسلیم کرنا ہوگا اور اسے تسلیم کرنے میں کسی عینک کی خواہ وہ کوفہ کی ہو یا کسی اور مقام کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ علامہ ہیثمی کے قول "رجالہ رجال الصحیح" کی کیا حیثیت ہے؟ اس پر تو ہم بعد میں کلام کریں گے اولاً ہم مولانا صاحب سے زہد و تقویٰ کا واسطہ دیتے ہوئے عرض کرتے ہیں کہ کیا اس روایت اور انہی الفاظ کے متصل بعد علامہ ہیثمی کے یہ الفاظ ان کی نظر سے نہیں گزرے:

"ویاتی الکلام علی ذلک بعد ھذا الحدیث"۔

(مجمع الزوائد ص ۱۱۰ ج ۲)

اگر یہ الفاظ ہیں اور یقیناً ہیں تو ہمیں بتلایا جائے کہ "رجالہ رجال الصحیح" کہنے کے بعد یہ فرمانا کہ "اس پر کلام اس روایت کے بعد آئے گا" کے کیا معنیٰ ہیں۔ بالخصوص جب کہ مفصل روایت نقل کرنے کے بعد امام بزار کا کلام ذکر کرتے ہوئے اس پر کسی قسم کا نقد و تبصرہ نہیں کیا۔ کیا ان دو قرائن کے باوجود اس میں شبہ کی کوئی گنجائش باقی ہے کہ علامہ ہیثمی امام بزار کے کلام سے متفق نہیں؟

مزید یہ کہ اگر علامہ ہیثمی کے ان الفاظ سے امام بزار کی تردید ہوجاتی ہے تو پھر مفصل روایت صلی صلوٰۃ یجھر فیھا کے متعلق مولانا صاحب کا "اگر یہ صحیح ہو" کہہ کر تشکیک پیدا کرنا کہاں کا انصاف اور دیانت داری کا کام ہے۔

دراصل مولانا صاحب نے علامہ ہیثمی کے الفاظ "رجالہ رجال الصحیح" سے دھوکا کھایا ہے۔ اگر وہ ابھی تک یہی سمجھ بیٹھے ہیں کہ صحیح بخاری و مسلم کے راوی ہونے سے روایت صحیح ہوجاتی ہے تو انہیں اپنے مبلغ علم پر ماتم کرنا چاہیے اس میں علامہ ہیثمی مجرم ہیں اور نہ کوئی اور بزرگ۔

علامہ موصوف نے جو کہا صحیح کہا وہ اس بات سے واقف تھے کہ صحت حدیث کے لیے صرف راویوں کا ثقہ یا صحیح بخاری کے راوی ہونا کافی نہیں بلکہ اس کا دیگر عیوب و علل سے صاف ہونا بھی ضروری ہے جیسا کہ قبل ازیں ہم وضاحت کر آئے ہیں۔ (باقی آئندہ ان شاء اللہ)